ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر محمد اصغر سیال ❁
ڈاکٹر محمد رفیق الاسلام ❁❁

ایک زبان: تین تحریری اشکال

One language: three scripts

By *Dr. Muhammad Asghar Sial, Asst. Prof., Dept. of Iqbal Studies, The Islamia University of Bahawalpur.*

Dr. Muhammad Rafiqul Islam, HOD, Dept. of Iqbal Studies, The Islamia University of Bahawalpur.

ABSTRACT

The script is the means of recognizing and preserving any language. Ancient calligraphy has gone through a period of historical change. After the evolutionary journey, language and script became inseparable. It is also a manifestation of the centuries-old style of writing. The study of cultural influences on Urdu language consists of script. Many social effects are affected on the Urdu language. The controversy over Urdu, Arabic, Persian, Devanagari and Roman script is historically significant. The Hindus did their best to make Devanagari popular. The British preferred the Roman script for Urdu writing. The opinion of Urdu experts has always been focused on Urdu Script (Nastaliq). Efforts have been made at various levels to preserve the script. Even today, Urdu is the language of three scripts. It is the only language written in Devanagari, Roman and Urdu. Different people have different opinions about each script. However, the most popular Urdu script is Urdu (Nastaliq). This article gives an overview of Urdu script.

Keywords: Urdu script, Roman Script, Devanagari, Nasta'liq, Urdu script controversy.

❁ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اقبالیات، دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاول پور
❁❁ صدر، شعبۂ اقبالیات، دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاول پور

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اردو زبان کی تخلیق اور ترویج میں رسم الخط کا گراں قدر حصہ ہے۔ زبان کی تحریری صورت ہی اسے محفوظ رکھتی ہے۔ ابتدا میں اردو عربی اور دیوناگری رسم الخط میں تحریر کی جاتی رہی ہے۔ برعظیم میں انگریزوں کی آمد سے جہاں اور بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں وہاں زبان کی تحریر کا معاملہ بھی ایک الجھن اختیار کر گیا۔ اس مقالے میں ہم بیسویں صدی سے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۹۰۵ء میں کلکتہ ہائی کورٹ کے جسٹس ساردھا میرن نے کلکتہ یونی ورسٹی میں ایک مضمون کے ذریعے یہ تجویز پیش کی کہ پورے ملک میں ایک رسم الخط رائج کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں انھوں نے دیوناگری رسم الخط کی حمایت کرتے ہوئے اسے (ناگری) تمام زبانوں کے لیے آسان قرار دیا۔[۱] جسٹس مذکور کے اس بیان کی مخالفت میں پریسیڈنسی کالج کے پرنسپل نے کہا کہ دیوناگری تو بنگلہ حروف سے بھی زیادہ دیر میں لکھی جاتی ہے۔ دیوناگری حروف کی بجائے رومن حروف کو تمام ہندوستان میں ایک رسم الخط کے طور پر اختیار کیا جائے کیوں کہ یہ لکھنے اور پڑھنے میں نہایت سہل ہے۔[۲] رومن رسم الخط کی حمایت کی تحریک زور پکڑنے لگی تو اس کے جواب میں ۱۹۱۲ء میں رسالہ ''زمانہ'' میں ادارے نے ایک مضمون شائع کیا۔ اس مضمون میں واضح طور پر کہا گیا کہ بعض علما کچھ عرصے سے اس کوشش میں ہیں کہ ہندوستانی (اُردُو) کا رسم الخط رومن کر دیا جائے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ رومن رسم الخط ہندوستانی اصوات کو مکمل طور پر ادا کرنے سے قاصر ہے۔ رومن رسم الخط کی حمایت کرنے والوں کے نزدیک سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ رومن حروف لکھنے میں آسان اور وقت کی بچت کا باعث ہیں۔

آہستہ آہستہ رومن رسم الخط کی تحریک وسعت اختیار کرتی گئی۔ ۱۹۳۰ء میں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے اپنے ایک مضمون ''رسم الخط'' میں اس تحریک کے خلاف لکھا ہے کہ اس سے پہلے کہ کسی زبان کے رسم الخط میں تبدیلی لائی جائے یہ دیکھنا از حد ضروری ہے کہ اس سے زبان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں یا نہیں؟ اگر ایسی تبدیلی سے زبان کی ضروریات پوری نہ ہوسکتی ہوں تو یہ عمل سخت مضر ہوگا۔ رسم الخط بدلنے کا مطلب زبان اور تمدن کی تبدیلی ہوگی۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ آیا ایسی تبدیلی سے ہماری ضروریات پوری ہوں گی یا نہیں؟ محض وقت اور آسانی کی بنا پر ہم رسم الخط کی تبدیلی کو برداشت نہیں کر سکتے۔[۳] ۱۹۳۷ء میں بشیر ناتھ نے ایک مضمون بعنوان ''ہندی اردو قضیہ'' رسالہ ''اردو'' میں تحریر کیا۔ اس میں انھوں نے لکھا کہ ٹیگور، شرت چندر اور بابو ماند چڑ جی رومن رسم الخط کو پسند کرتے ہیں۔ ٹیگور نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ اس سے خانہ جنگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔[۴] اس کے رد میں ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں کہ ٹیگور نے کوئی علمی وجہ بیان نہیں کی بلکہ وہ خانہ جنگی کو ٹالنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

یہ دلیل سیاسی اہمیت کی حامل تو ہوسکتی ہے لیکن علمی نہیں ہوسکتی۔(۵)

جنوری ۱۹۳۹ء میں عبدالقدوس ہاشمی نے ''ہمارا رسمِ خط'' کے عنوان سے مضمون تحریر کیا۔ اس میں انھوں نے مدلل انداز میں ثابت کیا کہ ہمارا اُردو رسم الخط دیوناگری اور رومن رسم الخط سے بہتر ہے۔(۶)

۵/نومبر ۱۹۴۱ء کو لکھنؤ یونی ورسٹی میں ذریعہ تعلیم و امتحانات اور سائنسی اصطلاحات پر غور کرنے کے لیے ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کے دو اجلاس بالترتیب ۲۔فروری ۱۹۴۲ء اور ۳۔فروری ۱۹۴۲ء کو منعقد ہوئے۔ ڈاکٹر طارق عزیز نے انتہائی محنت سے کارروائی کی (غیر مطبوعہ) نقول حاصل کیں اور لکھا کہ مذکورہ مسئلہ پر غور کے بعد سفارش کی گئی کہ ہندوستانی (اُردو) کو بطور ذریعہ تعلیم اِختیار کیا جائے اور رومن رسم الخط رائج کیا جائے۔(۷) کمیٹی نے رومن رسم الخط کا معاملہ علمی اور عملی نوعیت کا قرار دیا۔ ۱۹۴۳ء میں سجاد مرزا نے ٹائپ اور طباعت کی سہولت کے پیشِ نظر رومن رسم الخط کو رائج کرنے کی رائے دی۔

۱۹۴۴ء میں حیات اللہ انصاری نے پورے ہندوستان میں رومن رسم الخط کی حمایت کی۔(۸) پہلی اُردو کانفرنس جولائی ۱۹۴۴ء میں حیدرآباد دکن میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں رومن رسم الخط اختیار کرنے کی تحریک پیش کی گئی جس میں قاضی عبدالغفار اور ڈاکٹر ہاشم امیر علی نے حمایت میں جبکہ پروفیسر ہارون خاں شیروانی نے مخالفت میں تقاریر کیں۔(۹)

۱۹۴۸ء میں پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب نے اپنی کتاب میں اُردو کے لیے دیوناگری یا رومن رسم الخط اپنانے کی مدلل تجاویز پیش کیں۔(۱۰)

۲۹/اکتوبر ۱۹۴۸ء کو ڈاکٹر ہاشم امیر علی (۱۱) نے وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے نام مکتوب تحریر کیا جس میں جامعہ مذکور میں رومن رسم الخط رائج کرنے کی سفارش کی گئی۔(۱۲)

برِعظیم کی آزادی کے بعد پروفیسر ہارون خاں شروانی کے نظریات میں تبدیلی رونما ہوئی۔ ابتدا میں موصوف رومن رسم الخط کے مخالف تھے پھر اس کے حامی بن گئے۔ شروانی صاحب رومن رسم الخط کو ٹائپ اور طباعت کے لیے مثالی خط قرار دیتے رہے اور اس کی حمایت میں ۱۹۴۹ء میں ایک کتابچہ بھی شائع کیا۔

۱۹۵۰ء میں شان الحق حقی نے ایک مضمون ''رسم الخط کی الجھن'' میں علمی ضرورت کے تحت رومن خط کو اپنانے کی حمایت پر زور دیا۔(۱۳)

۱۹۵۳ء کو ڈاکٹر ہاشم امیر علی نے ثانوی کمیشن برائے بھارت کو ایک یادداشت بھیجی جس میں تعلیمی دشواریوں کے پیشِ نظر رومن رسم الخط کو اختیار کرنے کی سفارش کی گئی۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سابق صدر محمد ایوب خاں کے دورِ حکومت میں ۳۱۔ دسمبر ۱۹۵۸ء کو کابینہ کے ایک اجلاس میں تمام پاکستانی زباں وں کے لیے رومن رسم الخط کی تجویز پیش کی گئی۔[۱۴] صدر ایوب خاں نے رسم الخط کے تعین کے لیے کمیشن تشکیل دیا جس کے ماتحت مزید تین کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ یوں رومن رسم الخط کی حمایت اور مخالفت کا نیا دور شروع ہوا۔ حامی ادبا میں ڈاکٹر محمد دین تاثیر اور ن۔م راشد کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ن۔م راشد نے حلقۂ اربابِ ذوق کی سولہویں سالگرہ کے موقع پر خطبۂ صدارت میں رومن رسم الخط کی اہمیت پر زور دیا۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے ٹائپ اور طباعت کی سہولیات کے حوالے سے رومن رسم الخط کے فوائد تحریر کیے۔[۱۵]

۱۹۶۲ء میں محمد طاہر فاروقی نے بعنوان ''ہمارا رسم الخط'' مضمون تحریر کیا جس میں انھوں نے پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کی امثلہ اور لفظوں کے ذریعے رومن رسم الخط کی مخالفت کی۔[۱۶]

سید قدرت نقوی نے ۱۹۶۵ء میں اپنے ایک مضمون ''اُردو رسم الخط'' میں اردو رسم الخط کی حمایت کی اور رومن میں املا کی دشواریوں کو تحریر کیا۔ انھوں نے واضح کیا کہ ٹائپ اور طباعت میں بھی دونوں رسوم الخط مشکلات سے دو چار ہیں۔ اردو رسم الخط میں مقطع اشکال کی دشواریاں ہیں تو رومن میں چھوٹے بڑے حروف کا مسئلہ ہے۔[۱۷]

حکیم چند نیر نے اپنے تجزیے کے ذریعے اردو رسم الخط کو رومن رسم الخط کے مقابلے میں بہتر اور مفید قرار دیا۔[۱۸]

۱۹۶۶ء میں ''نیا دور'' کی طرف سے دانش وروں کو رسم الخط پر غور کرنے کی دعوت دی گئی جس میں ن۔م راشد نے رومن رسم الخط کی حمایت کی جب کہ محمد حسن عسکری، سلیم احمد، سید الطاف، ڈاکٹر سید عبداللہ اور شمیم احمد نے اردو رسم الخط کی پرزور حمایت کی۔[۱۹]

رومن رسم الخط میں مختلف نقائص پائے جاتے ہیں اور اردو کے مزاج کے خلاف ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے رومن اور اردو رسوم الخط کا دقیق جائزہ لیا۔ انھوں نے علمی، عملی اور فنی سطح پر تجزیہ کیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ رومن کی بجائے اُردو رسم الخط ہی زیادہ موزوں ہے۔[۲۰]

رومن رسم الخط کی حمایت اور مخالفت میں تحریر کرنے والوں میں سر شیخ عبدالقادر، خواجہ محمد صدیق، سید التفات حسین، دید مصطفیٰ علی بریلوی، سید احتشام حسین، مولانا صلاح الدین، ڈاکٹر وحید قریشی، انتظار حسین، میاں بشیر احمد اور رشید احمد صدیقی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

راقم الحروف کے نزدیک اردو رسم الخط، رومن رسم الخط کے مقابلے میں زیادہ جامع ہے تاہم پیوندکاری میں اصلاح کی گنجائش باقی ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

برِعظیم میں مختلف اقوام کے ملاپ سے جو نئی زبان وجود میں آئی، مسلمانوں نے اُس کے لیے نستعلیق کو موزوں رسم الخط قرار دیا۔ مسلمانوں کے برعکس ہندوؤں نے اس کا تحریری اظہار دیوناگری رسم الخط میں کیا۔ برِعظیم میں یہ دونوں رسوم الخط کسی تعصب کے بغیر مشترکہ طور پر رائج رہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی مستقل حکومت کے امکانات کے پیشِ نظر پورے ہندوستان میں ایک رسم الخط رائج کرنے کی تحریک چلائی گئی۔ انگریز بذات خود رومن رسم الخط کے حق میں تھے۔ اس سلسلے میں جب مئی ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کا قیام عمل میں لایا گیا تھا جہاں اُردو اور ناگری خط کے ساتھ ساتھ رومن رسم الخط میں بھی بہت سی کتب شائع کی گئیں۔ ان کتابوں میں ہندی مشقیں، ہندوستانی پرنسپلز، مبادیاتِ ہندوستان، بیاضِ ہندی، مشرقی زبان دان، مجری وطبی ہندوستانی لغت، گرامر کے سوالات، دلچسپ کہانیاں، کھڑی بولی اور انگلش کا لغت، افعالِ فارسی و اُردو، ہندی انگلش ڈکشنری، این انٹروڈکشن آف ہندوستانی لینگویج اور اے نیو تھیوری اینڈ پرسپکٹس آف پرشین وغیرہ شامل ہیں۔[۲۱]

برِعظیم پاک و ہند میں رومن رسم الخط تو رائج نہ ہو سکا البتہ اردو کے لیے ایک رسم الخط کی تحریک شروع ہوئی۔ مسلمان اردو رسم الخط (نستعلیق) جب کہ ہندو دیوناگری رسم الخط کو رائج کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہندوؤں کی سازشوں کے زیرِ اثر انگریزوں نے اردو رسم الخط (نستعلیق) کو ختم کرنے کی غرض سے ۱۸۳۷ء میں فارسی کو ختم کر دیا۔ مسلمانوں نے اس پر شدید ردِعمل کا اِظہار کیا۔ انگریزوں نے اس ردِعمل کو کم کرنے کے لیے مسلمانوں کی دوسری زبان (اُردو) کو رائج کر دیا۔ آہستہ آہستہ ہندوؤں نے اُردو اور اس کے رسم الخط کی بھی مخالفت شروع کر دی۔ ابتداً میں نفرت و مخالفت کے یہ جذبات پوشیدہ تھے لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد اردو زبان سے فارسی اور عربی الفاظ کا خروج اور سنسکرت الفاظ کا زبردستی ورود شروع ہوا۔ ہندوؤں نے اردو رسم الخط (نستعلیق) کی بجائے دیوناگری رسم الخط پر زور دیا۔ انھوں نے اپنے مطالبات انگریز حکومت کو پیش کیے۔ ہندوؤں نے برملا درخواستوں کے ذریعے تمام سرکاری کارروائیوں کو عربی/ اردو رسم الخط کی بجائے دیوناگری رسم الخط میں لکھنے کا مطالبہ کیا۔ آخر ہندو کامیاب ہوئے اور ۱۸۶۷ء میں صوبہ بہار میں اُردو کی بجائے کیتھی رسم الخط کو سرکاری سطح پر رائج کر دیا گیا۔ یوں دوسرے صوبوں میں دیوناگری رسم الخط رائج کروانے کی کوششیں عروج پر پہنچ گئیں۔ بنگالی زبان شروع میں فارسی و عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی لیکن بعد میں ہندوؤں کے زیرِ اثر بنگلہ خط سنسکرت میں بدل دیا گیا۔ پروفیسر بشیر احمد دستاویز کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ۱۷۷۲ء تک مسلمانوں میں بنگالی زبان، عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ موجودہ سنسکرتی طرزِ تحریر نئی اختراع ہے[۲۲] رفتہ رفتہ صوبہ اتر پردیش (یو پی) میں بھی ناگری رسم الخط رائج کرنے کی کوششیں کی گئیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہندوؤں کی ان کارروائیوں کو دیکھ کر سر سید احمد خان نے اُردو کے دفاع کے لیے کام کا آغاز کیا۔ ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں کہ سر سید احمد خان نے ''اردو ڈیفنس سوسائٹی'' کے ذریعے مدافعتی کردار ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن حکومتی مخالفت اور خود خوشامدی اہلِ وطن کی منفی رائے نے مسئلہ کو گھمبیر بنا دیا۔(۲۳)

ناگری رسم الخط کی حمایت میں محکمہ تعلیم نے بھی پورا حصہ لیا۔ ۱۸۷۰ء میں لکھنؤ میں منعقدہ ایک امتحان میں کیے گئے سوالات کی نوعیت پر غور کیجیے۔

۱۔ واضح کرو کہ صوبہ اودھ کی عدالتوں میں اُردو اور اس کے فارسی رسم الخط کا استعمال مفید اور قرینِ انصاف ہوگا یا ہندی اور اس کے ناگری خط کا؟

۲۔ اُردو اور ہندی کی خوبیاں اور خامیاں تفصیل سے بیان کرو۔ اسی طرح فارسی اور دیوناگری رسم الخط کی خوبیاں اور خامیاں بیان کرو۔ عوام الناس کے لیے ان ہر دو زبانوں میں سے کس زبان کے استعمال سے زیادہ سہولت یا زحمت ہے؟

۳۔ اردو اور ہندی سے کون سی زبانیں مراد ہیں؟ آپ کن تصانیف کو اُردو اور کن کو ہندی کہیں گے؟(۲۴)

دیوناگری رسم الخط کی ترویج کے لیے ہندوؤں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن سر سید احمد خاں نے دلائل سے اُردو رسم الخط کو مناسب ترین قرار دیا۔ ہندو ناگری رسم الخط کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار تھے۔ انھوں نے ہر موقع پر اپنی بھرپور کوشش کی کہ کسی طرح اردو رسم الخط (نستعلیق) کی جگہ دیوناگری رائج ہو جائے۔ چناں چہ سر سید کی وفات (۱۸۹۸ء) کے بعد سر انٹونی میکڈونلڈ کی حمایت اور ایما پر ناگری رسم الخط کے حامیوں نے ایک وفد کی صورت میں لیفٹیننٹ گورنر کو درج ذیل معروضات پیش کیں:

۱۔ جس طرح بہار اور ممالکِ متوسط (سی۔پی) میں ناگری رسم الخط عدالتوں میں رائج کیا گیا ہے؛ اسی طرح اضلاع شمال و مغرب و اودھ کے لیے بھی یہ رسم الخط قابلِ قبول تصور کیا جاتا ہے۔

۲۔ اضلاع شمالی و مغربی اور اودھ کی عدالتوں کو پابند کیا گیا تھا کہ وہ اپنی کارروائیوں اور بحث کو عام فہم اُردو میں تحریر کریں جب کہ عدالتی کارروائی میں ایسے الفاظ اور جملے استعمال کیے جاتے ہیں جو پورے طور پر قابلِ فہم نہیں۔ ان کا علاج یہ ہے کہ ناگری رسم الخط عدالتوں میں جاری کر دیا جائے جس سے آخر کار عدالتوں میں عربی اور فارسی زبان کے وہ الفاظ نکل جائیں گے جن کی تفہیم دشوار ثابت ہوتی ہے۔ ایسے الفاظ عوام کی بول چال سے سابقہ نہیں رکھتے۔

۳۔ ان صوبوں کے باشندوں کی کثیر تعداد فارسی حروف میں لکھے گئے استغاثوں، درخواستوں اور دستاویزات کو پڑھنے سے قاصر ہے۔ جب عدالتیں لوگوں کے نام سمن جاری کرتی ہیں تو وہ انھیں پڑھنے میں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

دشواری محسوس کرتے ہیں۔

۴۔ (ناگری رسم الخط کے حامیوں نے پروفیسر مایر ولیمز کا قول نقل کیا ہے کہ) فارسی حروف مثل گورکھ دھندہ ہیں۔ان کا پڑھنا مشکل ہے... الفاظ کے صحیح نہ پڑھے جانے اور شکستہ خط کی وجہ سے عدالتوں میں جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔

۵۔ ناگری حروف کے بارے میں بعض اوقات یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ حروف خط شکستہ کے مقابلے میں زیادہ وقت لیتے ہیں۔ اگر یہ بات فرض بھی کر لی جائے تو اس کی تلافی پڑھتے وقت ہو جاتی ہے کیوں کہ خطِ شکستہ کو پڑھنے میں زیادہ وقت درکار ہوتا ہے۔

۶۔ ہندی کی حمایت کرنے والوں نے ابتدائی تعلیم کے مسئلہ کو چھیڑا۔ انھوں نے برِعظیم کے مختلف صوبوں میں موازنہ کر کے بتایا کہ ۱۸۷۰ء-۱۸۷۱ء سے ۱۸۹۵ء-۱۸۹۶ء تک پرائمری سکولوں میں زیرِ تعلیم طلبا کی تعداد میں کس قدر اضافہ ہوا، پھر ناگری رسم الخط کے اجرا کے بعد صوبہ بہار میں ۱۸۸۱ء اور سی۔پی میں ۱۸۷۶ء سے ابتدائی جماعتوں میں بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ یوں اس ترقی کو ان صوبوں میں دیسی زبان اور دیسی خط سے مربوط کر دیا گیا۔

اردو رسم الخط پر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے رشید احمد سالم تحریر کرتے ہیں کہ مشہور اُردو دشمن لیفٹیننٹ گورنر یو پی، سر انٹونی میکڈونلڈ نے خود اعتراف کیا کہ بہار میں اُردو حروف کی جگہ کیتھی حروف جاری کرنے میں تقریباً ایک پشت کا عرصہ صرف ہوا۔ ایسی صورتحال میں وہ وقت تمام لوگوں کے لیے نہایت تکلیف دہ تھا اور یہ ایسے حصے کی بات ہے جہاں مغل حکومت کا اثر بہت کم تھا اور ہندوؤں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ اگر یو پی میں ہندی رسم الخط جاری کیا جائے تو اس کے نفاذ میں کس قدر مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا؟

عدالتوں میں ناگری حروف کی پسندیدگی کی وجہ بھی قابلِ قبول نہیں کیوں کہ قانونی اور عام بول چال کی زبان میں فرق ہوتا ہے۔ رائج قانونی اصطلاحات کی ہندی میں تبدیلی بھی ایک دقیق مسئلہ ہے۔عربی اور فارسی کے قانونی الفاظ اور حروف مثلاً ث، ذ، ص، ض، ط، ظ، ع، غ اور ق وغیرہ کے لیے نئے ناگری حروف کی ایجاد بھی مشکل پیدا کر سکتی ہے۔

ناگری رسم الخط کی تائید اس سے بھی نہیں ہوتی کہ استغاثوں اور درخواستوں، دستاویزات اور سمنوں کے پڑھنے کے لیے یہ ضروری ہے بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ تعلیم کو وسعت دی جائے۔ ناگری حروف بھی صرت وہ اشخاص پڑھ سکیں گے جو ناگری رسم الخط لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔ ان پڑھ افراد کے سامنے ناگری حروف لکھنے سے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

انھیں پڑھنا نہیں آئے گا۔

عدلیہ کے شکستہ خط کی وجہ سے شکوک اور تنازعات کا پیدا ہونا درست نہیں کیوں کہ تھوڑی سی مشق سے شکستہ خط بھی بآسانی پڑھا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے معترضین نے کوئی مثال بھی پیش نہیں کی۔ ہزآنر (گورنر صوبہ) نے ان صوبوں کے خواندہ افراد کی تعداد تین ملین بتائی ہے اور کہا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد ان سے بہت زیادہ ہے جو اردو رسم الخط کو پسند کرتے ہیں۔

پڑھنے میں دقت صرف ناگری رسم الخط سے دور ہو جائے گی، یہ دلیل بھی درست نہیں کیوں کہ یہی بات اردو رسم الخط کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے۔ اگر اردو تحریر خوش خط اور درست اعراب کے ساتھ اردو خط اپنایا جائے تو پڑھنے میں زیادہ آسانی ہوگی اور کوئی غلط فہمی باقی نہیں رہے گی... اگر صوبہ بہار اور ممالک متوسط میں جہاں ناگری رسم الخط عدلیہ میں جاری کیا گیا ہے۔ ابتدائی تعلیم کی ترقی کا اندازہ ناگری حروف کے اجرا سے قبل کی بجائے اقتضائے زمانہ اور مقامی اسباب سے لگایا جائے تو اس کی حقیقت بھی ظاہر ہو جائے گی۔[۲۵]

مسلم ردِعمل اور حقائق کے برعکس لیفٹیننٹ گورنر انٹونی میکڈونلڈ نے ۱۸/اپریل ۱۹۰۰ء کو ہندوؤں کے مطالبات تسلیم کر لیے اور عدلیہ میں ہندی اور ناگری کو رائج کر دیا۔ ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں کہ اس دوران میں نواب محسن الملک[۲۶] نے مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے سیکرٹری کی حیثیت سے گورنر میکڈونلڈ سے رسم الخط کے مسئلے پر تبادلۂ خیال کی اجازت طلب کی لیکن میکڈونلڈ نے اسے رد کر یا اور ملاقات کی اجازت نہ دی۔ اس کے باوجود اردو ڈیفینس ایسوسی ایشن نے ۱۸/اگست ۱۹۰۰ء کو لکھنؤ میں ایک جلسے کا انعقاد کیا۔ اس جلسے کی خبریں جب میکڈونلڈ تک پہنچیں تو وہ سخت برہم ہوا اور خود چل کر ۲۲/اگست ۱۹۰۰ء کو علی گڑھ پہنچ گیا۔ اس نے علی گڑھ مسلم کالج کے ٹرسٹیوں کا اجلاس بلا کر اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن کے خلاف خوب زہر اگلا اس کے ساتھ ہی دوبارہ ایسا عمل کرنے پر کالج گرانٹ بند کرنے کی دھمکی دی۔ نواب محسن الملک کالج کے مفاد کے پیشِ نظر اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے لیکن میکڈونلڈ نے اپنا ہندی اور ناگری کے بارے میں رویہ نہ بدلا اور مخالفت پر ڈٹے رہے۔[۲۷]

انگریزوں کے تعصب اور ہندوؤں کی سازش سے بنگال، بہار، سی پی اور یو پی میں ہندی اور ناگری رسم الخط رائج کر دیا گیا۔ صرف پنجاب اور سندھ میں ناگری الخط کامیابی حاصل نہ کر سکا۔

۱۹۰۳ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی ذیلی شاخ نے ''انجمن ترقیٔ اُردو'' کے نام سے کام شروع کیا۔[۲۸] مذکورہ انجمن نے اردو زبان اور رسم الخط کے حوالے سے ہندو مخالفت کا بھرپور دفاع کیا۔ ۱۹۱۲ء میں بابائے اردو مولوی عبدالحق سیکرٹری منتخب ہوئے اور وہ عمر بھر اردو زبان اور رسم الخط کی حمایت میں کلیدی کردار ادا کرتے رہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

گاندھی کا ایک چھوٹا سا مضمون ''اظہارِ رسم الخط'' کے عنوان سے اگست ۱۹۲۰ء کو ماہنامہ ''زمانہ'' کانپور میں شائع ہوا۔ اس میں واضح کیا گیا کہ مہاتما گاندھی قومی ترقی کے لیے سارے ہندوستان میں ایک رسم الخط کے حامی ہیں۔ وہ ہندی اور اُردو کو ایک زبان سمجھتے ہیں اور ان کے لیے مشترکہ نام ''ہندوستانی'' استعمال کرتے ہیں۔ ادارہ لکھتا ہے کہ گاندھی کے نزدیک دونوں زبانوں میں صرف رسم الخط کا فرق ہے اگر مسلم احباب تھوڑی سی تکلیف گوارا کر کے ناگری رسم الخط سیکھ لیں تو مشترکہ قومیت کے خیال کو تقویت ملے گی۔[۲۹] گاندھی جی کے پیشِ نظر یہ مقصد تھا کہ اس طرح خود بخود ناگری رسم الخط رائج ہو جائے گا اور اردو رسم الخط کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ۱۹۲۶ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اُنتالیس واں سالانہ اجلاس دہلی میں منعقد ہوا جس میں ایک قرارداد کے ذریعے یہ طے کیا گیا کہ جن صوبوں میں مسلمان اردو نہیں بولتے وہاں بھی اُردو رسم الخط کو نصاب میں شامل کیا جائے۔ آہستہ آہستہ اردو ہندی جھگڑا شدت اختیار کرتا چلا گیا۔ ان حالات میں بعض افراد نے مصالحتی کردار بھی ادا کیا جن میں خواجہ حسن نظامی قابلِ ذکر ہیں۔ انھوں نے ۱۹۲۸ء میں ''زمانہ'' میں مضمون تحریر کیا کہ مسلمانوں کو ہندی رسم الخط کی ترقی اور حفاظت میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے کیوں کہ یہ ہمارے موجودہ وطن کا رسم الخط ہے۔ ہندو بھائیوں کو بھی اردو کی ترقی و حفاظت میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیے کیوں کہ یہ زبان سنسکرت اور برج بھاشا سے نکلی ہے۔ اُردو رسم الخط بھی ہندوؤں کے غیر مانوس نہیں کیوں کہ اس کا تعلق ایشیائی رسم الخط سے ہے جو اہلِ ہندوستاں کا مخالف خط نہیں۔[۳۰] اس قسم کے مضامین بھی اردو ہندی جھگڑے کو کم نہ کر سکے۔ یوں یہ معاملہ شدت اختیار کر گیا۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق نے ۱۹۳۰ء میں ''رسم الخط'' کے عنوان سے اردو رسم الخط کی حمایت میں ایک مدلل مضمون تحریر کیا جس میں واضح کی کہ رسم الخط کی تبدیلی سے قبل دیکھا جائے کہ نیا رسم الخط زبان کی جملہ ضروریات پوری کرتا ہے یا نہیں؟ صرف وقت اور آسانی کی بنا پر طرزِ تحریر کو بدلنا ناقابلِ برداشت ہے۔[۳۱]

۱۹۳۳ء میں آل انڈیا ہندی سمّیلن کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ مہاراجا بڑودہ نے تحریری تقریر ارسال کی جس میں کہا گیا:

> ہندوستان میں صرف ایک قومی زبان ہو، ایک مشترک رسم الخط ہو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس وسیع ملک میں مشترک رسم الخط جاری نہیں ہو سکتا لیکن آج چین میں اس کی آبادی چالیس کروڑ ہے۔ ایک رسم الخط جاری ہے۔ اگر چین اپنے خانگی تنازعات اور اندرونی بدامنی کے باوجود ایک زبان اور رسم الخط جاری کر سکتا ہے تو ہندوستان کے لیے یہ کس طرح ناممکن ہے؟[۳۲]

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بعد ازاں انھوں نے دیوناگری کی تعریف کی کہ اس میں ہندوستانی زبانوں کی اصوات ادا کی جاسکتی ہیں۔ اس ضِمن میں سمّیلن نے ناگری رسم الخط کے حق میں قرارداد پاس کی اور ضمناً صوبہ دہلی کی عدالتوں میں اسے رائج کرنے کی تجویز پیش کی۔

اس صورتِ حال سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ گاندھی بھی صرف ظاہری طور پر اُردو ہندی اتحاد کے حامی ہیں انھیں مسلمانوں کے مفادات سے کوئی غرض نہیں۔ آخر ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے خطبہ الٰہ آباد میں دوقومی نظریہ پیش کرتے ہوئے علیٰحدہ وطن کے مطالبے پر زور دیا۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی کتاب ''ہندی اردو تنازع'' میں واضح کیا ہے کہ کانگریسی رہنماؤں کو رسم الخط سے زیادہ خوف دوقومی نظریے سے آنے لگا۔ چناں چہ گاندھی نے مشترکہ قومیت کی چال سے مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی لیکن اس وقت مسلمان بیدار ہو چکے تھے۔[۳۳] اس بیداری کا نتیجہ ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو قیامِ پاکستان کی صورت میں ظاہر ہوا۔

قیام پاکستان کے بعد اُردو اور دیوناگری رسم الخط کا تنازع اختتام پذیر ہوا تاہم کبھی کبھار اردو اور ہندی رسم الخط کی حمایت اور مخالفت میں مضامین لکھے جاتے رہے۔

۱۹۶۱ء کو وزرا کی کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی جس میں تجویز دی گئی کہ تمام ہندوستانی زبانوں کو ناگری رسم الخط میں لکھا جائے تو یہ زیادہ بہتر ثابت ہوگا۔ اس تجویز کو رد کرتے ہوئے رسالہ ''ہماری زبان'' نے اپنے اداریے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ دیوناگری رسم الخط کے متعلق یہ دعویٰ درست نہیں کہ یہ دوسرے خطوں سے بہتر ہے۔ اس میں حروف کی صوتی مناسبت و آسانی کے باوجود وقت کی کفایت اور بعض آوازوں کی ادائیگی سے قاصر ہونے کی وجہ سے تمام ہندوستانی زبانوں کے لیے مناسب نہیں۔[۳۴]

اردو زبان کی مقبولیت ہندوستانی تاریخ میں ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ ۱۹۶۹ء میں آچاریہ رنو بھاوے نے پٹنہ میں کہا کہ اردو بھارت میں فروغ پاسکتی ہے اور قومی زندگی میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اسے ناگری رسم الخط میں ہی تحریر کیا جائے۔ اس کے ردِعمل میں اخبار ''ہماری زبان'' نے شدید غم و غصے کا اِظہار کیا۔

اردو کے لیے رسم الخط کی تبدیلی کی کئی مرتبہ ناکام کوششیں کی گئیں جو کارگر نہ ہوسکیں۔ اردو کے لیے نستعلیق بہترین اور مقبولِ عام رسم الخط کی حیثیت رکھتا ہے کیوں کہ حروف کی آواز، تعلیمی سہولت، طباعت، لاگت، محنت اور وقت کی بچت کے حوالے سے ناگری رسم الخط میں خامیاں پائی جاتی ہیں۔ تاریخی حقائق بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ برِعظیم میں ناگری رسم الخط کو بارہا زبردستی رائج کرنے کی کوششیں کی گئیں لیکن خامیوں اور موزونیت نہ ہونے کی وجہ سے مکمل طور پر رائج نہیں کیا جاسکا اور نہ ہی اہلِ اردو نے اسے تسلیم کیا ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اردو کے لیے بہترین رسم الخط

اردو کے لیے نستعلیق بہترین رسم الخط ہے۔ طباعت اور ٹائپ کے ابتدائی دور میں مشکلات کے پیشِ نظر اردو رسم الخط کی مقبولیت میں رکاوٹیں حائل تھیں جن کی بنا پر ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی کتاب ''تدریسِ اُردو'' میں اس طرح لکھا ہے:

> خطِ نستعلیق، دورِ حاضر کی مشینی طباعت کا ساتھ پوری طرح نہیں دے سکتا۔(۳۵)

پروفیسر محمد سجاد مرزا نے بھی نستعلیق کو قطعاً غیر موزوں قرار دیا کہ خود نستعلیق کے آبائی وطن ایران نے اس ترک کر کے نسخ ٹائپ اپنا لیا ہے۔(۳۶)

نستعلیق اپنے جمالیاتی وصف کی وجہ سے اردو حلقوں بہت زیادہ مقبولیت کا حامل خط تھا۔ ٹائپ میں ڈھالنے والے ماہرین اس کی فنی نزاکت سے واقف نہیں تھے۔ اس کے علاوہ سرمایہ ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے، وہ بھی نہیں تھا۔ آخر کار ۱۹۸۱ء میں نوری نستعلیق کے ذریعے کمپیوٹر پر کتابت کا آغاز ہوا۔ اس کامیاب ایجاد میں احمد مرزا جمیل اور مطلوب الحسن سید کی خدمات نمایاں ہیں۔ نوری نستعلیق کے اصول کے بارے میں ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں کہ اس کی بنیاد ''مونو فوٹو'' نظام پر رکھی گئی ہے جس میں الفاظ کو لیگیچرز (LIGATURES) میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔(۳۷) نوری نستعلیق کی ایجاد اردو کتابت کی تاریخ میں بہت بڑی کامیابی تھی۔ احمد مرزا جمیل کے مطابق اس کی خوبیاں یہ ہیں:

۱۔ دورانِ کمپوزنگ میں سکرین پر موجود عبارت میں درستی کی سہولت رہتی ہے۔

۲۔ لیزر شعاعوں کے ذریعے اخباری صفحے کو پانچ منٹ سے کم وقت میں فوٹو گرافک کاغذ میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ چار پانچ سو صفحات پر مشتمل کتاب ایک دن میں بھی مکمل کی جا سکتی ہے لیکن اس کے لیے کلیدی تختے (KEY BOARDS) زیادہ استعمال ہوں گے۔

۴۔ اُردو میں ہائی فن (HYPHEN) نہ ہونے کی وجہ سے پورے لفظ چاہے مفرد ہوں یا مرکب ایک ساتھ لکھے جا سکتے ہیں۔

۵۔ اگر پروف ریڈنگ میں غلطی ہو جائے تو مکمل مضمون یا پیراگراف دوبارہ کتابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، صرف الفاظ یا عبارت کو ٹھیک کر لیا جاتا ہے۔

۶۔ ساری کتاب میں ضروری مقامات پر تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ یوں اردو میں ٹیلی فون ڈائریکٹری با آسانی شائع

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کی جاسکتی ہے۔

۷۔ انگریزی کی طرح اب اردو کتابت میں فانٹ ۸ سے لے کر مطلوبہ سائز تک رکھا جاسکتا ہے۔

۸۔ مشینی نظام کے ذریعے اچھے کاتبوں کے نمونے محفوظ کیے جاسکتے ہیں۔

۹۔ نوری نستعلیق سے پوسٹر سائز کتابت بھی باآسانی کی جاسکتی ہے۔

۱۰۔ نستعلیق کا کمپوز شدہ مواد، انٹرنیٹ کے ذریعے چند سیکنڈوں میں ایک شہر سے دوسرے شہر بھیجا جاسکتا ہے۔(۳۸)

اس لحاظ سے اب نستعلیق اردو کا بہترین رسم الخط ہے۔ کمپوٹر کمپوزنگ میں نستعلیق کے کئی فانٹ متعارف ہو چکے ہیں، جن میں نوری نستعلیق، علوی نستعلیق، جمیل نوری نستعلیق اور نفیس نستعلیق شامل ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سرکاری سطح پر ترجمہ سافٹ ویئرز تیار کرائے جائیں تاکہ دیگر زبانوں کی طرح اردو زبان کو بھی موزوں بنایا جاسکے۔

اردُو زبان اور رسم الخط میں ابلاغ کی بہت زیادہ صلاحیت موجود ہے۔ اردو دان طبقے کی ذمے داری ہے کہ اپنی تصوراتی پسماندگی دور کرے۔ ڈاکٹر فتح محمد ملک نے بجا کہا ہے کہ ہمارے پاس نئے تصور کی شدید کمی ہے، جس کی وجہ سے ہم نئی بات یا نقطۂ نظر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ سارا قصور اردو زبان اور رسم الخط کا نہیں بلکہ ہم خود باصلاحیت نہیں ہیں ورنہ اقبال کی اردو تخلیقات دنیا کی ہر بڑی زبان میں منتقل ہو چکی ہیں اور ابھی تک ہو رہی ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس لیے کہ اقبال نے اپنے عہد سے کلام کیا ہے۔(۳۹)

دورِ جدید میں کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور موبائل کی ایجادات انگریزوں کے عظیم کارنامے ہیں۔ انھوں نے ہمیشہ انگریزی زبان اور رومن رسم الخط کو مدِ نظر رکھا ہے۔ آج موبائل کے استعمال سے عام پڑھا لکھا آدمی بھی رومن حروف سے آگاہ ہے۔ دورِ جدید سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ان ایجادات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اردو رسم الخط کو فروغ دیا جائے۔ اس سلسلے میں ادارہ فروغ قومی زبان کی خدمات قابلِ تحسین ہیں۔ کمپیوٹر ویب سائٹس پر اردو رسم الخط میں خاصہ مواد موجود ہے جو اس بات کی نشاندہی ہے کہ اردو رسم الخط جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ ہے۔ بی بی سی اور دیگر نشریاتی اداروں کے علاوہ روزانہ کئی اخبارات اردو رسم الخط میں اپنے ایڈیشن انٹرنیٹ پر بھی جاری کرتے ہیں جو اس کی مقبولیت کا واضح ثبوت ہے۔ وکی پیڈیا اور دیگر سرچ انجن اردو رسم الخط کو فروغ دے رہے ہیں۔ راقم الحروف کو یقینِ کامل ہے کہ مستقبل قریب میں اردو رسم الخط برقیاتی اور نشریاتی سطح پر مقبول ترین رسم الخط ہوگا؛ پھر ہم بجا طور پر کہہ سکیں گے:

اردو ہے جس کا نام ہمی جانتے ہیں داغؔ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

حواشی

۱۔ ادارہ، ''رومن رسم الخط''، مشمولہ ''زمانہ''، کان، پور، جولائی ۱۹۲۵ء ص ۶
۲۔ ایضاً، ص ۷
۳۔ مولوی عبدالحق، ''رسم الخط''، ایضاً، ستمبر ۱۹۳۰ء، ص ۳۵
۴۔ بشیر ناتھ، ''ہندی اردو کا قضیہ'' مشمولہ ''اُردو''، اپریل ۱۹۳۷ء، ص ۴۱
۵۔ طارق عزیز، ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ'' (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء)، ص ۶۷، طبع اوّل
۶۔ عبدالقدوس ہاشمی، ''ہمارا رسمِ خط'' مشمولہ ''اُردو'' جنوری ۱۹۳۹ء ص ۵۴ تا ۶۳
۷۔ طارق عزیز، ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ۶۸
۸۔ حیات اللہ انصاری، ''رومن رسم الخط'' مشمولہ ''اُردو'' جنوری ۱۹۴۴ء ص ۳۵
۹۔ ڈاکٹر طارق عزیز، ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ۶۹
۱۰۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی، ''اردو زبان اور اس کا رسمِ خط''، (لکھنؤ: نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۶۱ء)، ص ۶۸ تا ۷۱
۱۱۔ ڈاکٹر ہاشم امیر علی، زرعی کالج جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں بطور پرنسپل خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔
۱۲۔ ڈاکٹر طارق عزیز، ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ۶۸
۱۳۔ شان الحق حقی، ''رسم الخط کی الجھن'' مشمولہ ''نیا دور''، اپریل ۱۹۵۰ء ص ۳۰، ۳۱
۱۴۔ محمد ایوب خاں، ''جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی''، (کراچی: آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، ۱۹۶۷ء)، ص ۱۴۰
۱۵۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر، ''اردو رسم خط کی بحث'' مشمولہ ''نثرِ تاثیر'' مرتبہ فیض احمد فیض، (بہاول پور: اردو اکادمی، ۱۹۶۳ء)، ص ۲۵ تا ۳۲
۱۶۔ محمد طاہر فاروقی، ''ہمارا رسم الخط'' مشمولہ ''ماہِ نو''، کراچی، شمارہ خصوصی ۱۹۶۲ء ص ۴۷، ۴۸
۱۷۔ سیّد قدرت نقوی، ''اردو رسم الخط'' مشمولہ ''ماہِ نو''، کراچی، ص ۱۹ تا ۲۵
۱۸۔ حکم چند نیّر، ''اردو کا رسمِ خط''، مشمولہ ''ہماری زبان''، علی گڑھ، ۸ر نومبر ۱۹۶۲ء ص ۶، ۷
۱۹۔ ''نیا دور''، شمارہ نمبر ۴۷، ۴۸ بحوالہ ڈاکٹر طارق عزیز، ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ۸۳
۲۰۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ''اردو ہندی تنازع''، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۷ء)، ص ۳۶۲، ۳۶۳
۲۱۔ ڈاکٹر سلیم اختر، ''اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ''، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص ۳۰۱ تا ۳۱۰
۲۲۔ پروفیسر بشیر احمد، ''العلم''، اپریل تا جون ۱۹۶۸ء ص ۳۴
۲۳۔ ڈاکٹر طارق عزیز، ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ۶۷
۲۴۔ ''مقالاتِ گارساں دتاسی''، ترجمہ ڈاکٹر یوسف حسن خاں، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان بحوالہ ڈاکٹر طارق عزیز، ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ۹۰
۲۵۔ رشید احمد سالم، ''اُردو ناگری بحث، اضلاعِ شمال و مغرب و اودھ''، مشمولہ ''معارف''، علی گڑھ، اپریل ۱۸۹۹ء، ص ۳۵
۲۶۔ محسن الملک (نواب سید مہدی علی خاں ۱۸۳۷ء۔ ۱۹۰۷ء) سرسید احمد خاں کے قریبی رفقا میں سے تھے۔ حیدرآباد دکن میں بورڈ آف ریونیو کے سربراہ رہے۔ سرسید کی وفات کے بعد علی گڑھ کالج کے سیکرٹری بنے اور اپنی ذہانت، تدبر اور محنت سے کالج کو یونی ورسٹی کے درجے تک ترقی دلائی۔ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ قائم ہوئی تو وہ اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ مسلمانانِ برعظیم پر اُن کے احسانات ناقابلِ فراموش ہیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۲۷۔ ڈاکٹر طارق عزیز ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ۹۴
۲۸۔ ہاشمی فرید آبادی ''پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقیٔ اُردو''، (کراچی: انجمن ترقیٔ اردو، ۱۹۵۲ء)، ص ۱۳
۲۹۔ ادارہ، ''گاندھی جی کا اظہارِ رسم الخط'' مشمولہ ''زمانہ'' کان پور، ۱۹۲۰ء، ص ۳
۳۰۔ خواجہ حسن نظامی، ''اردو ہندی اور رسالہ زمانہ'' مشمولہ ''ہندوستانی زبان کا مسئلہ''، (پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۵ء)، ص ۵۱
۳۱۔ مولوی عبدالحق، ''رسم الخط'' مشمولہ ''ہندوستانی زبان کا مسئلہ''، ایضاً، ص ۸۹
۳۲۔ ادارہ، ''مشترکہ رسم الخط کا اظہار'' مشمولہ ''ہندوستانی زبان کا مسئلہ''، ایضاً، ص ۱۱۶
۳۳۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری ''ہندی اُردو تنازع''، ص ۲۷۵ تا ۲۷۹
۳۴۔ اداریہ ''ہماری زبان''، علی گڑھ، یکم ستمبر ۱۹۶۱ء ص ۱، ۲
۳۵۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ''تدریسِ اردو''، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۸ء)، ص ۶۸
۳۶۔ پروفیسر محمد سجاد مرزا، ''اردو رسمِ خط'' مشمولہ ''اردو رسم الخط انتخاب مقالات'' مرتبہ شیما مجید، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء)، ص ۱۶۹
۳۷۔ ڈاکٹر طارق عزیز، ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ۳۲۰
۳۸۔ بشیر محمود اختر، ''مقدمہ''، ''اُردو رسم الخط انتخاب مقالات'' مرتبہ شیما مجید، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء)، ص ۱۱، ۱۲
۳۹۔ ڈاکٹر عطش درانی، ''اکیسویں صدی کی اُردو: نئے تقاضے'' مشمولہ ''پاکستانی اُردو: مزید مباحث''، مرتبہ ڈاکٹر عطش درانی، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲ء)، ص ۲۱

مآخذ

۱۔ اختر، بشیر محمود، ''مقدمہ''، ''اُردو رسم الخط انتخاب مقالات'' مرتبہ شیما مجید، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء
۲۔ اختر، سلیم، ڈاکٹر، ''اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء
۳۔ تاثیر، محمد دین، ڈاکٹر، ''اردو رسم خط کی بحث'' مشمولہ ''نثرِ تاثیر'' مرتبہ فیض احمد فیض، بہاول پور: اردو اکادمی، ۱۹۶۳ء
۴۔ حسن، مسعود حسن، پروفیسر، ''اردو زبان اور اس کا رسمِ خط''، لکھنؤ: نظامی پریس لکھنؤ، ۱۹۶۱ء
۵۔ خاں، محمد ایوب، ''جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی''، کراچی: آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، ۱۹۶۷ء
۶۔ دتاسی، گارساں، ''مقالاتِ گارساں دتاسی''، ترجمہ ڈاکٹر یوسف حسن خاں، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان بحوالہ ڈاکٹر طارق عزیز، ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء، طبع اوّل
۷۔ درّانی، عطش، ڈاکٹر، ''اکیسویں صدی کی اُردو: نئے تقاضے'' مشمولہ ''پاکستانی اُردو: مزید مباحث''، مرتبہ ڈاکٹر عطش درانی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲ء
۸۔ عبدالحق، مولوی عبدالحق، ''رسم الخط'' مشمولہ ''ہندوستانی زبان کا مسئلہ''، پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۵ء، ص ۸۹
۹۔ عزیز، طارق، ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء، طبع اوّل
۱۰۔ فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر، ''اردو ہندی تنازع''، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۷ء
۱۱۔ فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر، ''تدریسِ اردو''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۸ء
۱۲۔ فرید آبادی، ہاشمی ''پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقیٔ اُردو''، کراچی: انجمن ترقیٔ اردو، ۱۹۵۲ء

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۱۳۔ مرزا، محمد سجاد، پروفیسر، ''اردو رسم الخط انتخاب مقالات'' مرتبہ شیما مجید، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء
۱۴۔ نظامی، خواجہ حسن، ''اردو ہندی اور رسالہ زمانہ'' مشمولہ ''ہندوستانی زبان کا مسئلہ''، پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۵ء
۱۵۔ ادارہ، ''مشترکہ رسم الخط کا اظہار'' مشمولہ ''ہندوستانی زبان کا مسئلہ''، پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۵ء

رسائل و جرائد

۱۔ ''اُردو''، اپریل ۱۹۳۷ء
۲۔ ''اُردو'' جنوری ۱۹۳۹ء
۳۔ ''اُردو'' جنوری ۱۹۴۴ء
۴۔ ''العلم''، اپریل تا جون ۱۹۶۸ء
۵۔ ''زمانہ''، کان، پور، جولائی ۱۹۲۵ء
۶۔ ایضاً، ستمبر ۱۹۳۰ء
۷۔ ''زمانہ'' کان پور، ۱۹۲۰ء
۸۔ ''ماہِ نو''، کراچی، شمارہ خصوصی ۱۹۶۲ء
۹۔ ''معارف''، علی گڑھ، اپریل ۱۸۹۹ء
۱۰۔ ''نیا دور'' شمارہ نمبر ۴۷، ۴۸
۱۱۔ ''نیا دور''، اپریل ۱۹۵۰ء
۱۲۔ ''ہماری زبان''، علی گڑھ، ۸ر نومبر ۱۹۶۲ء
۱۳۔ اداریہ ''ہماری زبان''، علی گڑھ، یکم ستمبر ۱۹۶۱ء ص ۱، ۲